نظریۂ پاکستان کا تحفظ اور اس کی ضرورت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

مسلمانوں نے متحدہ ہندوستان پر آٹھ سو سال سے زیادہ حکومت کی۔ انگریز نے ان سے اقتدار چھینا اور تقریباً دو سو سال تک وہ ہندوستانی قوم پر مسلط رہا۔ علمائے کرام نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، کئی جگہ اور مواقع پر اس کے خلاف عملی جہاد بھی کیا، عوام الناس میں اس کے خلاف ایک منظم تحریکی اور جہادی روح پھونکی۔ اس کے نتیجے میں تحریک پاکستان وجود میں آئی۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد میں پاکستان کا تصور اور خاکہ پیش کیا، جسے آگے چل کر دو قومی نظریہ کا نام دیا گیا اور اسی اساس پر قائداعظم محمد علی جناح نے علمائے کرام کے ساتھ مل کر پاکستان کی جدوجہد شروع کی اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

اس وقت تحریک پاکستان کے قائدین نے نعرہ دیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إلٰہ إلا اللّٰہ۔ علمائے کرام نے اس نعرہ کی بنیاد پر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور قائداعظم نے ان کی محنتوں، کاوشوں اور کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان کے دونوں حصوں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں پاکستانی جھنڈا اُنہیں کے ہاتھوں سے لہروایا۔

پاکستان بن جانے کے بعد علمائے کرام ہی کی محنتوں سے مارچ ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد منظور کی گئی اور اسی سے آئین سازی کی ابتدا ہوئی، جس میں کہا گیا کہ: ''چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے''۔ اور اس میں کہا گیا کہ: ''جس کی رو سے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اصولوں کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا، جس کی رو سے مسلمانوں کو

اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات ومقتضیات کے مطابق جس طرح کہ قرآن پاک وسنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، ترتیب دے سکیں‘‘۔

علمائے کرام اور تحریک پاکستان کے قائدین نے قراردادِ مقاصد منظور کرکے پاکستان کو اس کی اصلی شناخت دے دی اور مستقبل کے لیے ایک واضح سمت متعین کردی۔ لیکن ملحدین، سیکولر ذہنی بیمار اور دین بیزار افراد اور اشخاص نے اس قراردادِ مقاصد کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ عائلی قوانین بنائے جو مغربی ذہنیت میں ڈوبے لوگوں نے یہاں درآمد کیے، جس میں اسلامی نظام اور اسلامی قوانین کی جڑیں کھوکھلی کی گئیں، اسلام کے تمام بنیادی عقائد واحکام کا حلیہ مسخ کیا گیا اور اسلام کو ایسی شکل میں پیش کیا گیا جس میں ہر قسم کے کفر اور الحاد کو جگہ مل سکے۔ حالانکہ اسلام کے تمام شخصی قوانین: نکاح، طلاق، عدت اور وراثت کے احکام ومسائل جو برطانوی عہدِ حکمرانی میں بھی مسلمانوں میں رائج تھے اور تمام مسلمان اسلام کے ان قوانین پر آئینی طور پر عمل پیرا تھے، یہ قوانین اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں ’’مسلم حکمرانوں‘‘ نے ملحدین کی شہہ پر اور ان کی ہوا باختہ فکر ونظر کے نتیجے میں ملک پر مسلط کردیئے، جن سے اسلام کے ان شخصی قوانین کا جنازہ نکال دیا گیا۔ اس وقت علمائے امت نے قرآن وسنت کے دلائل سے ان کی تنسیخ وترمیم کا مطالبہ کیا اور تمام اراکین اسمبلی نے بھی اس کی معقولیت کو تسلیم کیا، اراکین اسمبلی نے سترہ (۱۷) ترامیم بھی منظور کرلی تھیں اور ان پر غور کرنے کے لیے ایک سب کمیٹی بھی مقرر ہوئی، لیکن اس وقت کے صدر مملکت نے اپنے اختیارات کے زور پر اسمبلی کے فیصلے کو مسترد کردیا اور وہی رسوائے زمانہ عائلی قوانین مسلمانوں پر مسلط رہے اور آج تک مسلط ہیں، جو کہ قرآن کریم، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماعِ امت اور عقل ودیانت سب کے خلاف ہیں۔ اسی طرح ۱۹۷۳ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں علمائے کرام کی محنت اور جدوجہد سے پاکستانی قوم کو متفقہ آئین ملا، جس میں بطورِ خاص درج ذیل قرآن اور سنت کے متعلق اسلامی شقیں آئین میں رکھی گئیں:

’’1:......موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور ان اصولوں سے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔

2:......اس آرٹیکل کا کوئی حصہ غیر مسلم شہریوں کے پرسنل لاء کو متاثر نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی شہری حیثیت میں کوئی تبدیلی لائی جائے گی۔‘‘

ان اسلامی شقوں کی تشریح وتفصیل کے لیے ایک اسلامی کونسل کی تشکیل کی گئی، جس کے اغراض ومقاصد، ارکان کا تعین اور اس کا طریقۂ کار یوں واضح کیا گیا:

’’1:......نوے دن کے اندر اندر ایک اسلامی کونسل قائم کی جائے گی، جسے ’’کونسل آف اسلامی آئیڈیالوجی‘‘ کہا جائے گا۔

2:......اسلامی کونسل کے کل ارکان کی تعداد کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ بیس ہوگی۔ ان

ارکان کو صدرِ مملکت مقرر کرے گا۔ضروری ہوگا کہ یہ لوگ اسلام کے متعلق علم رکھتے ہوں، اس کے فیصلے سے آگاہ ہوں۔انہیں پاکستان کے قانونی، معاشی، سیاسی اور انتظامی مسائل کا علم بھی ہونا چاہیے۔

3:......کونسل کے ارکان کا تقرر کرتے ہوئے صدر اِن باتوں کا خاص طور پر دھیان رکھے گا:

الف- جہاں تک قابل عمل ہوگا مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کو اس میں شریک کیا جائے گا۔

ب-کم ازکم دوافراد ایسے ہوں گے جو یا تو سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج ہوں گے یا رہ چکے ہوں گے۔

ج۔ کم ازکم چار افراد ایسے ہوں گے جو کم ازکم پندرہ سال تک اسلامی ریسرچ کرتے رہے ہوں گے یا اس کا درس دیتے رہے ہوں گے۔

د-کم ازکم ایک رکن عورت ہوگی۔

4:......کونسل کے ارکان میں ایک کو صدرِ مملکت کی طرف سے کونسل کا چیئرمین مقرر کردیا جائے گا۔

5:......ایک فرد تین سال تک اسلامی کونسل کا ممبر رہے گا۔

6:......اسلامی کونسل کا کوئی ممبر اپنے عہدے سے مستعفی ہوسکے گا۔وہ اپنی تحریر میں عہدے سے استعفیٰ صدر کو بھیجے گا۔اگر اسلامی کونسل کے ارکان کی اکثریت کسی رکن کے خلاف قرارداد منظور کرکے صدر کو بھیجے گی تو صدر ایسے رکن کو عہدے سے الگ کرسکے گا۔صدر اور گورنر اسلامی کونسل سے رائے طلب کرسکیں گے۔اگر کسی ایوان یا صوبائی اسمبلی کے 2/5 ارکان حمایت کریں گے تو ایوان بالا یا اسمبلی کسی سوال کو کونسل کی رائے معلوم کرنے کے لیے اس کے پاس بھیج سکے گی کہ کیا کوئی مسودہ قانون اسلامی اصولوں سے متصادم ہے یا نہیں؟

اسلامی کونسل کے فرائض مندرجہ ذیل ہوں گے:

1:...... پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو ایسی سفارشات پیش کرے گی جن پر عمل پیرا ہوکر ایک عام مسلمان اپنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے اصولوں کے مطابق بسر کرسکے۔

2:......کونسل طلب کیے جانے پر صدر، گورنر، پارلیمنٹ، کسی ایک ایوان اور صوبائی اسمبلی کو مشورے فراہم کرے گی اور انہیں کسی مخصوص بل کے بارے میں مطلع کرے گی کہ وہ بل اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں۔

3:......ایسی سفارشات پیش کرے گی جن پر عمل کرکے موجودہ قوانین کو بتدریج اسلامی انداز میں ڈھالا جاسکے گا۔کونسل یہ بھی بتائے گی کہ قوانین کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کے لیے اُنہیں کتنے مرحلوں میں منقسم کرنا ہوگا۔

4:......ایسے اصولوں کو جو اسلامی روح کے مطابق ہوں اور جن کو قانونی درجہ دینا ضروری ہو، کونسل سلیقے سے ترتیب دے گی، تاکہ پارلیمنٹ اور اسمبلیاں ان سے رہنمائی حاصل کرسکیں۔

5:...... جب کوئی سوال صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کی طرف سے مشورہ کے لیے کونسل کو پیش کیا جائے گا تو کونسل کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ پندرہ دنوں کے اندر صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی (جس نے بھی مشورہ طلب کیا ہو) کو اطلاع دے کہ وہ مشورہ کب تک فراہم کردے گی۔

6:......اگر فوری ضرورت ہوگی اور صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی محسوس کرے گی کہ قانون کے بارے میں کونسل کا مشورہ دیر سے ملنے کا امکان ہے تو وہ مشورہ کے پہنچنے سے پہلے ہی قانون بنا سکتے ہیں۔ یہ قدم عوامی مفاد کے تقاضوں کے تحت اٹھایا جاسکتا ہے۔ اگر قانون منظور ہوجاتا ہے اور کونسل اس کے بارے میں رائے دیتی ہے کہ وہ اسلام کے اصولوں کے منافی ہے تو صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی (جو بھی متعلق ہو) اس قانون کو ایک بار پھر ایوان میں پیش کروائے گا۔

7:......اپنے قیام کے بعد کونسل سات سال کے اندر آخری رپورٹ پیش کرے گی اور ہر سال ایک عبوری رپورٹ پیش کرتی رہے گی۔ رپورٹ چاہے آخری ہو یا عبوری، اُسے دونوں ایوانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ رپورٹ تمام صوبائی اسمبلیوں میں بھی پیش ہوگی، تاکہ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اس پر بحث ہوسکے۔ پارلیمنٹ اور ہر اسمبلی رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد آخری رپورٹ پیش ہونے کے دو سال بعد تک اس کے مطابق قانون بنائے گی۔''

قراردادِ مقاصد، اسلامی شقیں اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اغراض ومقاصد واضح ہونے کے باوجود جان بوجھ کر پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں اسلامی نظریاتی کونسل کا سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ایک پروردہ اور الحاد میں ان کی راہ پر چلنے والے جناب خالد مسعود کو بنایا گیا، جس نے کہا کہ:

''۱:...... اسلام مکمل ضابطۂ حیات نہیں۔ ۲:...... اسلام میں چہرے کا پردہ ہے نہ سر کا۔ ۳:...... داڑھی اگرچہ سنت ہے، تاہم حضور ﷺ کے دور میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داڑھی رکھتے تھے۔ ۴:...... انہوں نے کہا کہ: توہین رسالت کے قانون میں کمزوریاں ہیں۔ ۵:...... قرآن کریم میں حدود اللہ کا تصور نہیں۔ ۶:...... قرآن وسنت میں مذکور قوانین صرف اس وقت کی معاشی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے۔'' ان کی اس طرح کی اور کئی ہفوات آئے روز اخبارات کی زینت بنتی تھیں اور کوئی ان کی زبان کو روکنے والا نہیں تھا۔

حالات نے پلٹا کھایا اور اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ایک عالم دین کو بنایا گیا اور انہوں نے اپنی کونسل کے اراکین کی مشاورت اور بحث وتمحیص کے بعد یہ سفارشات مرتب کیں کہ: ''نکاح کے لیے لڑکی کی عمر کی کوئی حد نہیں، البتہ رخصتی کے وقت اس کا بالغ ہونا شرط ہے''۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ: ''اسلام میں دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ بالکل اسلام کے مطابق ہے''۔ ان کا یہ بیان آنے کے بعد کئی لادین عناصر اور مذہب بیزار جماعتیں اور گروہ میدان میں کود پڑے اور اس پر بیان بازی شروع کردی، حتیٰ کہ سندھ اسمبلی میں اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے کی قراردادیں تک پاس کی گئیں اور یہ سب کچھ وہ جماعت کررہی ہے جس کے بانی جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے وزارتِ عظمیٰ کے دور میں پاکستانی قوم کو ایک متفقہ آئین دیا اور اس میں اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ بھی بنایا۔ کیا کہا جائے کہ پیپلز پارٹی کے بانی نے صحیح فیصلہ کیا یا ان کی جماعت کے آج کے مردوزن اراکین نے اسلامی نظریاتی کونسل جیسے آئینی ادارے کے خلاف سندھ اسمبلی میں قرارداد پاس کرا کر صحیح فیصلہ کیا ہے؟۔

افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، اس کے آئین میں طے ہے کہ ملک کے صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ اس میں قرآن وسنت کو سپریم لاء مانا گیا ہے اور آئین میں لکھا گیا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوسکتی، لیکن اس میں سود کو ابھی تک قانونا جواز فراہم کیا گیا۔ عائلی قوانین سراسر اسلام کے متصادم بنائے گئے۔ شراب خانوں اور قحبہ خانوں کے لائسنس اور پرمٹ ابھی تک جاری کیے جاتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط نظامِ تعلیم کی برابر پشت پناہی کی جارہی ہے، حتیٰ کہ اب تو پرائمری اسکولوں میں اس کو رواج دیا جارہا ہے اور جب بھی کسی حکومت سے اسلامی نظام کے نفاذ، نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور اسلامی قوانین وحدود پر عمل پیرا ہونے کی بات کی جاتی ہے تو غیر ملکی امداد اور تعاون سے چلنے والی این جی اوز ''سول سوسائٹی'' کے نام سے کھڑی ہوجاتی ہیں اور آئین پاکستان میں درج اسلامی شقوں کو آئین سے نکالنے کے لیے مظاہرے اور جلوس تک نکالے جاتے ہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل جو ۱۹۷۳ء میں متفقہ آئین کے تناظر میں بنائی گئی تھی ۴۰ سالوں سے اس کی سفارشات کو طاقِ نسیان کی زینت بنایا گیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ میڈیا کے ذریعہ عریانی وفحاشی کے سیلاب میں پوری قوم کو ڈبونے کی کوشش کی جارہی ہے، حالانکہ مغرب اس کا خمیازہ بھگت چکا ہے، وہاں سماجی بندھن ٹوٹ چکا ہے، ازدواجی نظام ختم ہونے کے قریب ہے۔

اس عریانی وفحاشی کی بنا پر شرم وحیا، عفت وعصمت اور طہارت وپاکدامنی کے الفاظ بے معنی ہوکر رہ گئے ہیں، آئے دن بچیوں کا گھر سے آشنا کے ساتھ بھاگ جانا، شادی شدہ گھروں کا برباد ہونا، بن باپ کے بچوں کی پیدائش کا روز افزوں ہونا، یہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی وہ سوغاتیں ہیں جو ہمارے ملک میں بے بہا تقسیم کی جارہی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہمیں اس گندگی کے سیلاب کو روکنے کی فرصت نہیں، لیکن اسلام کا نام آتے ہی ہماری بیوروکریسی اور براجمان اقتدار کے بزرجمہروں کے تیور بدل جاتے ہیں اور مدارس وعلمائے کرام کا ناطقہ بند کرنے کے لیے انہیں نئے سے نئے قوانین بنانے کی فکر پڑ جاتی ہے، حالانکہ یہ مدارس اور علمائے کرام اپنی مملکت خداداد پاکستان کے دل وجان سے خیر خواہ، اس کے پاسبان اور محافظ ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ ہمارے پیارے ملک پر کوئی آفت یا برا وقت آئے، ان شاء اللہ! سب سے پہلے اس کا دفاع کرنے والے اور اس پر اپنی جانیں نچھاور کرنے والے یہ علما اور دینی مدارس کے طلبہ ہی ہوں گے۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے اساسی مقصد کو سامنے رکھ کر اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا جائے اور اس کے لیے ابتدا ان قوانین کے نفاذ سے کی جائے جو آئین پاکستان میں درج کیے گئے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل نے جو سفارشات پارلیمنٹ میں بھیجی ہیں، ان پر قانون سازی کی جائے اور تمام مسالک کے علمائے کرام نے جو متفقہ ۲۲ نکات حکومت کے حوالے کیے ہیں، ان کی روشنی میں پاکستان کے مستقبل کا لائحہ عمل طے کیا جائے۔ ان شاء اللہ! اس سے نظریۂ پاکستان کا تحفظ بھی ہوگا اور مملکتِ خداداد پاکستان کو اسلامی برادری میں اہم مقام بھی ملے گا۔ وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین